

نفرت کی آگ

کلبھوشن کا معاملہ اتنا سادہ اور آسان نہیں جتنا نظر آتا ہے یا بتایا جا رہا ہے۔ خود مختار ملک میں یورش پیدا کرنے کی کوشش حد درجہ سنگین ہے۔ تمام ثبوت ہیں جنکا بغیر تھب سے جائزہ لیا جائے تو پتہ چل جاتا ہے کہ کلبھوشن قتل و غارت اور بلوچستان میں علیحدگی پسند تنظیموں کو مالی امداد اور تھیار فراہم کر رہا تھا۔ کوئی بھی آزاد ملک اس طرح کے منفی قدم کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ پاکستان جو کر رہا ہے، بالکل درست اور صائب ہے۔ ایک شرپسند کے ساتھ بالکل اسی طرح کارو یہ رکھنا چاہیے۔ اس میں کوئی دو آراء نہیں ہے۔

چند دن پہلے کلبھوشن کی والدہ اور اہلیہ کو پاکستان آنے کی اجازت دی گئی۔ اس قدم کی کوئی قانونی بنیاد نہیں تھی۔ یہ خالصتاً انسانی بنیادوں پر کیا گیا۔ جس طریقے سے خاندان کی ملاقات کروائی گئی، میری نظر میں حد درجہ احتیاط بر تدارست تھی۔ کیوں، اسکی بہت زیادہ وجہات ہیں۔ کلبھوشن کی سطح کا سرکاری مجرم شاذ و نادر ہی گرفتار ہوتا ہے۔ قطع نظر اسکے کہ سترہ بار کراچی اور ملک کے مختلف علاقوں میں پھرتا رہا۔ تخریب کاری کا بچھایا ہوا جال توقع سے زیادہ وسیع تھا۔ جواہم معلومات کلبھوشن سے حاصل کی گئیں، اسکی بدولت ایک مکمل گروہ قابو میں آیا جو تن من دھن سے ہماری سلیمانیت کے خلاف کام کر رہا تھا۔ یہ بہت بڑی کامیابی تھی اور ہے۔ انڈیا میں اہل خانہ سے ملاقات کو انتہائی منفی انداز سے پیش کیا جا رہا ہے۔ کلبھوشن کی اہلیہ چتنا کل اور والدہ ادنیٰ دبلي پہنچ کر سیدھی وزیر خارجہ شمسا سواراج کے پاس لے جائیں گے۔ جہاں تین گھنٹے تک ان سے ملاقات کے ہر لمحہ کی بابت پوچھا گیا۔ یہ انتہائی غیر معمولی بات تھی۔ مطلب صاف تھا کہ معاملہ صرف اور صرف کلبھوشن کی ملاقات تک محدود نہیں تھا۔ چالیس منٹ کی ملاقات کی تین گھنٹے تک پوچھ پچھ، کلبھوشن کی اہمیت صاف صاف بتاتی ہے۔ لازم ہے کہ ملاقات میں ہندوستانی وزیر خارجہ کے ہمراہ اور دیگر خفیہ ایجنسیوں کے سینئر ترین افسر بھی موجود ہوں گے۔ یہ Defbrefing میٹنگ واضح طور پر اشارہ کر رہی تھی کہ معاملہ صرف ملاقات کا نہیں تھا۔ کچھ ایسے مسائل بھی تھے جو ہماری حد درجہ احتیاط کی وجہ سے پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکے۔ کمرے میں شیشے کی موجودگی ہندوستانی خاندان اور ڈپٹی ہائی کمشنر کے لیے غیر متوقع تھی۔ کپڑوں کی تبدیلی اور کڑی گنگرانی بھی مکمل طور پر غیر متوقع تھی۔ اہلیہ کے جوتے نہ واپس کرنے کا فیصلہ کی بھی توقع نہیں کی جا رہی تھی۔ اسکی ایک سے زیادہ وجوہات ہو سکتی ہیں۔ آج کل کے دور میں جاسوسی کیلئے جو توں یا کپڑوں میں "چپ" لگانا انتہائی معمولی بات ہے۔ جو توں کے اندر کسی دھاتی چیز کی موجودگی نے فیصلہ کن ارتعاش پیدا کیا۔ ہندوستان کا اس پر رو یہ حد درجہ غیر متوازن تھا۔ وزارت خارجہ نے کھل کر بیان دیا کہ جوتے واپس کرنے چاہیے تھے۔ کیا یہ بات عجیب معلوم نہیں ہوتی کہ جو توں کو اتنی اہمیت دی گئی۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں جاسوسی کے پورے آلات موجود ہوں یا کوئی ایسی "ڈیوائس" جس سے تمام باتیں ریکارڈ کی جا سکتی ہوں یا نشر کی جا سکتی ہوں۔ معاملہ کچھ اور ہے اور یہ مسئلہ فرزک رپورٹ آنے کے بعد ہی طے پایا گا۔ کیا اس امر کو بھی نظر انداز کیا جا سکتا ہے کہ کلبھوشن کو خود کشی کیلئے کوئی موثر زہر فراہم کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ تخریب کاری کی دنیا میں یہ بالکل معمول کی بات ہے۔ کئی بار ایسے ہوا ہے کہ باپ کو بیٹی کے ہاتھوں مروا یا گیا ہے۔ خاوند کو بیوی کے ہاتھوں قتل کروایا گیا ہے۔ لہذا ہماری طرف سے غیر معمولی احتیاط بالکل صائب

تھی۔ ہندوستان کی پارلیمنٹ میں جب اس بات پر بحث ہوئی تو سماج دادھی پارٹی کے لیڈر نزیشان اگروال نے بہت حقیقت پسندانہ بات کی۔ اسکے بقول پاکستانی حکومت نے یادیو اور اسکے اہل خانہ کے ساتھ جو سلوک کیا، وہ بالکل ٹھیک تھا۔ وجہ یہ کہ پاکستان کے بقول گل بھوشن ایک دہشت گرد ہے اور اسکے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہیے تھا۔ بیان پر بنی۔ جے۔ پی نے بہت تنقید کی اور اگروال پر اسکی اپنی پارٹی سے بھی شدید دباو ڈالا گیا۔ خیر گل بھوشن کا معاملہ بھی طول پکڑے گا اور فوری طور پر اس کا کوئی حل نہیں ہے۔ اب میں سکے کے دوسرے رخ کی طرف آتا ہوں۔

پاکستان اور ہندوستان کے درمیان دشمنی دونوں اطراف سے حد درجہ تکین ہو چکی ہے۔ حقائق کو تعصب کے بغیر دیکھنے کی صلاحیت اکثریت کے پاس ختم ہو چکی ہے۔ کبھی کبھی ایسے لگتا ہے کہ یہ دشمنی پاگل پن کی انتہا کو چھوڑی ہے۔ نتیجہ کیا ہو سکتا ہے، اسکا ادراک بہت کم لوگوں کو ہے۔ اور وہ ہے کہ خطے کی مکمل تباہی۔ ایسی ہتھیاروں کا باہمی استعمال صرف خطے کو ہی نہیں بلکہ دنیا کو فنا کر سکتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ کیا یہ روایہ درست ہے یا اسکو تبدیل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ جہاں تک قائد اعظم کا تعلق تھا۔ انکا نفرہ تو بالکل واضح ہے، کہ دونوں ممالک کو کینیڈ اور امریکہ کی طرح رہنا چاہیے۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ ہم قائد کی کسی بات پر بھی عمل کرنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ قائدین بھی اور ادارے بھی۔ قائد کی ایمانداری، نظم و ضبط اور اتحاد کے متعلق کہے گئے کمال "ارشادات" صرف اور صرف کتابوں کی زینت ہیں۔ ان پر عمل کرنے کی قومی صلاحیت بالکل ختم ہو چکی ہے۔ ہندوستان میں بھی یہی معاملات ہیں۔ جو بھی پاکستان سے بہتر تعلقات کی بات کرتا ہے۔ اسے آئی۔ ایس۔ آئی کا ایجنت قرار دے دیا جاتا ہے۔ نریندر مودی کا موجودہ رویہ انتہائی پُر خطر اور شدت پسند ہے۔ وہ دہلی کے وزیر اعلیٰ اور نند پھریوال کو پاکستانی ایجنت قرار دیتے ہیں۔ مودی، سابقہ وزیر اعظم منموہن سنگھ پر بھی پاکستانی مفادات کی حفاظت کا الزام لگاتے ہیں۔ حد تھی ہے کہ گجرات کے حالیہ ایکشن میں فرماتے رہے ہیں، کہ دراصل پاکستان ایکشن میں مداخلت کر رہا ہے۔ دراصل یہ ایک مائنڈ سیٹ ہے جس سے باہر نکلنا مشکل سے مشکل ترین ہوتا جا رہا ہے۔

چند برس پہلے ائمہ رضا شل ریٹائرڈ، اصغر خان نے ایبٹ آباد میں اپنی رہائش گاہ پر ٹوی چینل کو ایک اٹھرو یوڈیا۔ یہ شائد پشوتو زبان کا چینل تھا مگر بات چیت اردو میں ہو رہی تھی۔ اصغر خان کا اٹھرو یو شل میڈیا پر پڑھنے اور دیکھنے کا موقعہ ملا۔ ائمہ رضا شل کی چند باتیں بالکل مختلف تھیں۔ اُنکے بقول، ہندوستان سے ہر جنگ ہم نے شروع کی۔ 1965، 70 اور کارگل کی بات تو سب کو معلوم تھی۔ مگر انہوں نے یہ بھی کہا کہ پاکستان بننے کے فوراً بعد کشمیر کو حاصل کرنے کیلئے محدود پیمانے پر جنگ ہماری طرف سے شروع کی گئی۔ اس میں قبائلی لشکر استعمال کیے گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کشمیر کا مہاراجہ، خوف کے عالم میں انڈیا کے ساتھ مل گیا۔ اس نے باقاعدہ نہر و کوخط لکھا کہ حفاظت کیلئے فوج بھجوائی جائے۔ ائمہ رضا شل کی حب الوطنی کے متعلق کوئی سوال نہیں اٹھایا جا سکتا۔ وہ انتہائی شفاف کردار کے مالک ہیں۔ اُنکی طرف سے یہ بات طالب علم کے لیے کافی جیران کن تھی، کیونکہ اس کے بعد تو کشمیر کے مسئلہ میں کئی حقائق بدلتے جاتے ہیں۔ کسی پنڈورا بکس کو نہیں کھولنا چاہتا۔ مگر حقائق کو حقیقت کی عینک سے دیکھنا بہت ضروری ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ 1947-48 سے کشمیر میں ہندوستانی فوج نے جو قتل عام برپا کیا ہے، اسے قطعاً نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر ہمارا موقف بالکل درست ہے۔ مگر سوچنے کا اہم پہلو یہ ہے کہ بڑھتی

ہوئی دشمنی کو کسی طرح کم ترین سطح پر لا جائے۔ کس طرح اقتصادی اور انسانی ترقی کے اچھنڈے پر عمل پیرا ہو جائے۔ عدم اعتماد کی فضائی کیسے معمول پر لا جائے۔ اصل نکتہ صرف اور صرف یہی ہے۔ گزارشات اس جو ہری نکتے کے تجزیے کیلئے ہیں۔

چار جنگوں میں کون جیتا یا کون ہارا۔ یہ بحث پس پشت ڈال دینی چاہیے۔ اس لیے کہ آگے بڑھنے کیلئے دامغ کو کھول کر سوچنا پڑیگا۔ یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ شائد ہمارا قومی مفاد بھی یہی ہے۔ جنگوں سے باہر نکل کر دیکھیے تو کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ دونوں ممالک کا بے تحاشہ نقصان ہوا ہے۔ ہر طرح سے مالی، جانی، معاشی اور رہنی۔ یعنی کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جس میں دونوں ممالک کا کچھ بھی فائدہ ہوا ہو۔ مہنگے اور خطرناک ترین اسلحے کے انبار لگا کر بھی پاکستان اور ہندوستان عدم تحفظ کا شکار ہیں۔ شائد یہ بات تسلیم نہ کریں مگر ایک دوسرے پر شک، خیر سگالی کا عدم وجود اور دلیل کی بات کی عدم موجودگی حد درجہ خطرناک ہے۔ تاریخی تناظر میں بھی جائے تو آنے والے دونوں میں مسائل بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہر واقعہ تباہی کو اضافہ دے رہا ہے۔ کبھوشن کا واقعہ، اس میں سے صرف ایک ہے۔ اس طرح کے ان گنت مسائل زندہ اثر دے کی طرح سب کو پیٹ میں لے چکے ہیں۔ سوچنا چاہیے کہ کیا ہم ہمسایہ بدلتے ہیں۔ اگر یہ آپشن ہے تو پھر سب کچھ درست ہے۔ مگر یہ آپشن ہرگز موجود نہیں ہے۔ ہمسایہ کسی قیمت پر تبدیل نہیں کیے جاسکتے۔ یہ ایک مشکل امر ہے۔ پھر کیا کیا جائے۔ کہاں سے دھاگے کو پکڑا جائے۔ کیا باہمی تجارت کو مضبوط کرنا ایک احسن قدم نہیں ہو سکتا؟ دوسری جنگِ عظیم میں جرمنی نے فرانس پر بقہہ کر لیا۔ لندن کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ مگر آپ انکی تجارت پر غور فرمائیے۔ ماضی کے دشمن ممالک اربوں ڈالر کی تجارت کر رہے ہیں۔ کسی نے اپنی ملکی سلیمانیت پر کوئی آنچ نہیں آنے دی۔ انکی افواج حد درجہ جدید ہیں۔ انکے عسکری بجٹ بھی خلیفہ ہیں۔ تو کیا ہم ان تجربات سے فائدہ اٹھا کر ایک دوسرے سے تجارت کو فروغ نہیں دے سکتے۔ تجارت تو آج بھی جاری ہے۔ مگر اس میں دشواریاں کافی زیادہ ہیں۔ کیا انکو کم کر کے بے حدقابل اعتماد بنیادوں پر تجارتی سامان کی لین دین نہیں ہو سکتی۔ کیا واقعی یہ کام حد درجہ مشکل ہے۔ ایک درجہ آگے بڑھیے۔ کیا صنعتی ادارے ایک دوسرے سے فنی تعاون نہیں کر سکتے۔ صاحب، یہ بھی ممکن ہے۔ اسکے علاوہ اور بھی ایسے شعبے ہیں، جس میں ملکی مفاد کو پس پشت ڈالے بغیر خلیفہ تعاون ہو سکتا ہے۔ ہماری فیشن انڈسٹری، خواتین کے ملبوسات اور دیگر اشیاء، ہندوستان میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ کپڑوں کے سٹال، ایک دن میں خالی ہو جاتے ہیں۔ ہزاروں اشیاء ہیں جنکی مانگ دونوں ممالک میں حد درجہ ہے۔ پر مسئلہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ کیسے کیا جائے۔ عدم اعتماد اور دشمنی کی فصیلوں کو کیسے عبور کیا جائے۔ شک بلکہ نفرت کی فصل کو کیسے کاٹا جائے۔ اسکا کوئی آسان طریقہ نہیں۔ اسکے لیے مضبوط قیادت اور ملکی مفادات کیلئے دورس فیصلے کرنے پڑیں گے۔ مگر یہ خطرہ کون مولیگا۔ جو اس تعاون کی کوشش کریگا، اسکو فوراً غدار بنا دیا جائیگا۔ ملک دشمن قرار دیا جائیگا۔ مسئلہ یہ ہے اس نفرت کی دیوار کیسے عبور کیا جائے۔ سابقہ وزیر اعظم نے کوشش کی اور یہ انہیں بہت مہنگی پڑ گئی۔ مگر اب تو مجھے کوئی بھی ایسا شخص نظر نہیں آ رہا جو اس شک اور نفرت کی آگ پر پانی ڈال سکے۔ ہاں، جلتی پر تیل ڈالنے والے بہت ہیں۔ ان گنت!